حدیث واصولِ حدیث کے قرآنی مستدلات

ڈاکٹر حافظ عثمان احمد ☆

Qur'anic implications upon Prophetic traditions and Principles of Prophetic traditions. The last divine book; Quran, in its own words is the Book that is as an exposition of everything, and guidance, a mercy, and glad tidings for those who are Muslims. The Quran had been considered core and original source of Shariah commandments since primitive era to date. Moreover, Muslim Scholars have pondered upon the Quran and derived basic rules for all disciplines of Islamic knowledge. Prophetic traditions are also believed as primary and authentic source of Shariah in the light of Quran. The Scholars of Prophetic traditions (Hadith) inferred the principles of Prophetic traditions (Usul e Hadith) from the Quranic verses. The article discloses the arguments and pattern of reasoning of Hadith scholars to authenticate and validate the principles of Prophetic traditions. The article substantiate that Quran and hadith are interlinked and indispensible for each other.

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو **تبیانا لکل شیء**(۱) بنا کر نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی جامعیت وکاملیت کو **ما فرطنا فی الکتاب من شیء** (۲) کے الفاظ سے بیان فرما کر اسے تمام علوم دینیہ کا مصدر اصلی ہونے کا شرف بخشا۔ اس دعویٰ میں کوئی مبالغہ نہیں کہ تمام علوم دینیہ کے بنیادی اصول آیات قرآنیہ سے مستفاد ہیں۔ علماء امت نے قرآن مجید کو اپنی اجتہادی کاوشوں اور استنباطی صلاحیتوں کا مرکز بنایا اور بہت سے علوم کی بنیاد رکھی۔ قرآن امت مسلمہ کی علمی زندگی کی روح اور تفکر وتدبر کو مہمیز کرنے والا روحانی جذبہ اور عقل ودانش کی رہنمائی کرنے والا نور ہے۔ استدلالاتِ علمیہ میں اپنے موقف کو قرآنی استدلال سے ثابت ومؤکد کرنا علماءِ امت کا اولین وزریں اصول ہے۔ علماء امت کی علمی محنتوں کے نتیجے میں قرآنی علوم جس طرح آشکار ہوئے وہ قرآنی اعجاز کا ایک منفرد پہلو ہے۔ یہ معروف اور مسلمہ حقیقت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے اولین شارح و مبین تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرما مبعوث کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی تبیین وتفسیر کا

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامیات، جامعہ پنجاب، لاہور۔

فریضہ اپنے قول وفعل سے سرانجام دیا۔ آپ کے اقوال وافعال وتقریرات کے مجموعہ کو اصطلاحاً علم حدیث کا نام دیا گیا۔(۳) علماءِ امت نے علمِ حدیث کے اصول وفروع بھی قرآن سے اخذ کیے۔ علماء امت نے علم حدیث واصولِ حدیث کے اصول وفروع پر قرآن سے استشہاد کیسے فرمایا اس کی کچھ جہات درج ذیل سطور میں پیش کی جاتی ہیں۔

وحی غیر متلو کا وجود وجواز

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک وحی قرآن کی شکل میں ہوتی تھی جس کی تلاوت کی جاتی ہے ۔قرآنی وحی، وحی متلو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی متلو کے قاری اول تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے ''**یتلــــو علیھم آیاتہ**''(۴) (وہ تلاوت کرتے ہیں ان کے سامنے اس کی آیات) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''**اتل ما اوحی الیک من الکتاب**'' (تلاوت کی جیے جو آپ کی طرف کتاب میں سے وحی کیا گیا)(۵)۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی غیر متلو کے نزول کی نظیر قرآن کی آیت **ما قطعتم من لینة او ترکتموھا قائمة علی اصولھا فباذن اللہ** (۶) (جو تم نے کھجوروں کے درخت کاٹ دیے یا تم نے انہیں اپنے جڑوں پر قائم چھوڑ دیا یہ اللہ کے حکم سے کیا) غزوہ بنونضیر میں یہود کے خلاف معرکہ آرائی میں ان کے کھجوروں کے باغات کاٹ دیے گئے اور اس عمل کو وحی کے مطابق قرار دیا گیا حالانکہ قرآن میں اس کی اجازت سے متعلق کوئی آیت نہیں۔(۷) قرآن کا اس عمل کو اذن الٰہی کے مطابق قرار دینا اس پر دلالت کرتا ہے بہت سے احکامات شریعت وحی غیر متلو کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دی گیے ۔(۸)

وحی الٰہی کو حدیث کہنے کا جواز

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وحی قرآنی کو حدیث کے نام سے ذکر فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''**اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا**''(۹) (اللہ تعالیٰ نے بہترین بات متماثل آیات والی کتاب نازل فرمائی) یہاں کتاب اللہ کی آیات پر ''حدیث'' کا طلاق کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی الٰہی کو ''حدیث'' کہنا جائز ومشروع ہے۔

وحی غیر متلو کو حدیث کہنے کا جواز

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحیٰ لھا** (۱۰) (اس دن وہ اپنی خبریں بیان کردے گی کیونکہ اس کے رب نے اسکو وحی کی ہوگی)(۷)۔ اس آیت

میں ''اوحیٰ'' وحی غیر متلو ہے۔ کیونکہ زمین پر وحی متلو کے نزول کا کوئی امکان نہیں۔قرآن نے وحی غیر متلو کے بیان کرنے کو''تحدث'' کے الفاظ سے تعبیر کیا۔اس میں اشارہ ہے کہ وحی غیر متلو کو حدیث کہنا جائز ہے۔اس پر یہ اشکال پیدا ہوسکتا کہ اس آیت میں وحی نبوت مراد نہیں جب کہ حدیث وحی نبوت ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ یہاں وحی نبوت مراد نہیں مگر وحی فطرت بھی مراد نہیں جیسا کہ ''واوحیٰ ربک النحلٰ(۱۱)(تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی) میں مراد ہے۔ یہاں وہی وحی مراد ہے جو ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالے جانے پر آگ کو کی گئی قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم ۔(۱۲)(اے آگ ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا) اس سے معلوم ہوا کہ وحی غیر متلو کی بھی دو اقسام ہیں ایک وہ جس سے انسانوں کو حکم شریعت کی پابندی کا مکلّف ٹھہرایا جاتا ہے اور دوسری وہ جس سے ماسوا انسان مخلوقات مکلّف ٹھہرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو وحی فرمائیں گے تو وہ اہل زمین کے ان تمام اعمال کے راز افشا کردے گی جو انہوں نے اس پر کیے گیے ہوں گے۔اور زمین کی گواہی سے انسانوں پر حجت تام ہوگی۔اس سے واضح ہوا کہ یہ وحی غیر متلو بھی احکامِ تکلیفی کے اعتبار سے حدیث کے متماثل ہے۔

حجیت حدیث

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال وتقریرات جن کا اصطلاحی نام حدیث شریعت میں حجت ہیں ۔قرآن مجید کا ارشاد وما آتکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنه فانتھوا(۱۳)(جو کچھ تمہیں پیغمبر عطا کریں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ) میں الفاظ کی عمومیت اقوال، افعال وتقریرات تینوں کی حجیت پر دال ہے۔(۱۴) قرآنی الفاظ میں تینوں کی حجیت کے علیحدہ علیحدہ شواہد بھی موجود ہیں۔

حدیث قولی کی حجیت:

قولی حدیث کی حجیت قرآن کے اس ارشاد میں واضح ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے ''ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین''(۱۵) ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی حجیت باسلوب تہدید وعتاب ذکر کی گئی۔ کہ تم رسول اللہ کی زبان سے بیان ہونے والی وحی کے منکر ہو حالانکہ ان کے اقوال حق ہیں اگر ان کے اقوال درست نہ ہوتے اور یہ کوئی افتراء کرتے تو ہم ان کی شہ رگ کاٹ چکے ہوتے۔عربی میں ''لوْ'' امتناع کے لیے آتا۔جس کا ترجمہ بالفرض محال کیا جا سکتا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم الٰہی کے مطابق ہیں کیونکہ اگر اس کے خلاف ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کے عتاب کا شکار ہونے کا مورد بن جاتے۔قول رسول پر عمل کا وجوب ان آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ قرآن نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''**عفا اللہ عنک لم اذنت لھم**(۱۶)(اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا آپ نے انہیں اجازت کیوں دی)اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان حجت نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عتاب نہ ہوتا بلکہ منافقین کو عتاب ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کیوں مانی۔اسی طرح فرمان الٰہی ہے **یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم** (۱۷)(اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی بات پر لبیک کیا کرو جب وہ تمہیں پکاریں)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعبؓ کو پکارا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔وہ نماز میں مشغول تھے انہوں نے جلدی جلدی نماز ختم کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے میری پکار پر جواب نہ دیا۔تو انہوں نے عرض کی کہ نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمایا: **استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم**(۱۸)

حجیت حدیث فعلی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل شریعت میں حجت ہے یہ امر ایسا بدیہی اور واضح ہے کہ اس کے لیے دلیل دینے کی ضرورت نہیں لیکن علماء امت نے تبرعاً اس کی حجیت کے دلائل ذکر کیے۔قرآن مجید میں آپ کے افعال کو حجت قرار دینے کے متعدد نظائر موجود ہیں۔ایک نظیر قرآن کی آیت **ولتات طائفة اخریٰ لم یصلوا فلیصلوا معک**(۱۹)(پھر دوسرا گروہ آجایے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھے)ہے اس آیت میں صحابہ کرام کو حکم دیا گیا ہے کہ ''**فلیصلوا معک**'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھیں۔جس طرح حدیث کے الفاظ ''**صلوا کما رئیتمونی اصلی** ''(۲۰)(نماز پڑھوا جیسے تم مجھے نماز پڑھتا دیکھو)حدیث فعلی کی حجیت کو ثابت کرتے ہیں اسی طرح قرآن کے الفاظ ''فلیصلو امعک'' بھی حدیث فعلی کی حجیت پر دلالت کرتے ہیں۔

حدیث تقریری کی حجیت

قرآن مجید میں حضرت زینبؓ کے نکاح کے موقع پر بعض صحابہ کرام کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں بیٹھے رہنے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باوجود تنگ ہونے کے ان کو چلے جانے کا نہ کہنے پر، عتاب فرمایا گیا۔(۲۰)ارشاد باری تعالیٰ ہے **فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق**۔(۲۱)(وہ تم سے

حیاء کرتے تھے، لیکن اللہ حق کے اظہار میں نہیں شرماتا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی معاملے میں خاموشی اگر حجت نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاموش رہنے پر کبھی عتاب نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاموش رہنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا اظہار تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق پر تو عتاب نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے اس لیے صحابہ کو عتاب نہیں فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاموش رہنے کی وجہ ان کے لیے وہاں بیٹھے رہنا جائز عمل تھا البتہ ان کو آئندہ کے لیے حکم شرعی بتا دیا گیا۔ اور آیت کا اسلوبِ بیان میں **واللہ لا یستحی من الحق** کہہ دلالتِ اشارہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی کو ''الحق'' کے ابلاغ کا ذریعہ بتایا گیا۔

بیان واہمیتِ اسناد کی قرآنی نظیر

فرمان باری تعالیٰ ہے ''**وانہ لتنزیل رب العالمین، نزل به الروح الامین، علی قلبک لتکون من المنذرین**'' (۲۲) اس آیت میں قرآن کی سند بیان کی گئی ہے اور سند قرآن کے تین وسائط کا ذکر کیا گیا۔ رب العالمین کا کلام ہے جسے روح الامین نے ان سے سماعت کر کے محمد رسول اللہ کو پہنچایا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انذار کرتے ہوئے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اور مختلف مقامات پر اس سند کی تینوں ہستیوں کا صدق و ضبط بیان کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بارے فرماتے ہیں ''**ومن اصدق من الله قيلا**'' (۲۳) (اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے) اور دوسرے راوی حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے فرمایا گیا ''**انہ لقول رسول کریم، ذی قوۃ عند ذی العرش المکین مطاع ثم امین**'' (۲۴) (یہ قرآن بڑے شرف والے پیغام بر کا لایا ہوا پیغام ہے، قوت والا ہے، تمکنت والے صاحبِ عرش کے پاس ہوتا ہے، اس کی بات مانی جاتی ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ امانت دار ہے) تیسرے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے فرمایا ''**ما ضل صاحبکم و ما غوی و ما ینطق عن الھوی**'' (۲۵) (نہ تو تمہارے صاحب بھٹک گئے ہیں اور نہ ہی کسی بہکاوے میں آئے ہیں۔ یہ اپنی خواہشِ نفس سے کبھی بات بھی نہیں کرتے)

اختصارِ حدیث کا جواز

محدثین کا عمومی تعامل ہے کہ ایک عنوان کے تحت کوئی روایت لاتے ہیں اور اس روایت کا صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جو عنوان سے متعلق ہوتا ہے۔ دوسری جگہ دوسرے عنوان کے تحت دوسرا حصہ نقل کرتے ہیں۔ حدیث مختصر کرنے جواز میں اگرچہ محدثین کا اختلاف ہے لیکن راجح رائے اختصار کے جواز کی ہے۔

مقدمہ ابن الصلاح میں ہے

وانہ یجوز ذالک من العالم العارف اذا کان ما ترکہ متمیزا عما نقلہ، غیر متعلق بہ، بحیث لا یختل البیان،ولا تختلف الدلالۃ فیما نقلہ بترک ما ترکہ(۲۶)

درج بالا عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صاحبِ علم اورحدیث کی معرفت کے حامل فرد کے لیے اختصارِ حدیث جائز ہے کہ جب اس نے جونقل کیا وہ متمیز ہواس سے جواس نے ترک کیا اوراس سے معنوی لحاظ سے غیر متعلق ہواور ایسا کرنے سے بیان میں کوئی اختلال نہ پیدا ہواور نہ حدیث کے ترک کردیے جانے ٹکڑے سے دلالت میں فرق نہ پڑتا ہو۔قرآن مجید میں اس کے اختصار کے جواز کے متعدد نظائر وشواہد موجود ہوں۔ذیل میں صرف قصہء آدم وابلیس کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ایک ہی واقعہ کی کچھ معلومات ایک جگہ بیان ہوئی ہیں اور کچھ دوسری جگہ جب کہ حقیقتِ واقعہ کی کچھ تفصیلات دونوں جگہ مشترک ہیں۔یہ واضح دلیل ہے کہ مضمونِ حدیث کوموضوعاتی اور معنوی ضرورت کے تحت مختصر کرنا درست عمل ہے۔سورۃ البقرۃ میں اس کی قصہ کا بیان ان الفاظ پر مشتمل ہے

واذقلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین وقلنا یا آدم اسکن انت وزوجک الجنہ وکلا منھا رغدا حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرہ فتکونا من الظالمین فازلھما الشیطان عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ وقلنااھبطوا بعضکم لبعض عدو ولم فی الارض مستقر و متاع الیٰ حین فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم(۲۷)

جب کہ سورۃ الاعراف میں ہے

ثم قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس لم یکن من الساجدین قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین قال فاھبط منھا فما یکون لک ان تتکبر فیھا فاخرج انک من الصاغرین قال انظرنی الی یوم یبعثون قال انک من المنظرین قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم ثم لآتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم و عن ایمانھم وعن شمائلھم ولا تجد اکثرھم شاکرین قال اخرج منھا مذموما مدحرا لمن تبعک منھم لاملئن جھنم منکم اجمعین ویآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ فکلا من حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین فوسوس لھما الشیطان لیبدیء

لهما ما وورى عنهما من سو آتهما (۲۸)

حقیقت واقعہ ایک ہے اور دونوں جگہ پر مشترک معلومات یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ آدمؑ اور انکی زوجہ کو کہا گیا کہ تم دونوں جنت میں سکونت اختیار کرو اور جہاں سے دل چاہے کھاؤ مگر ممنوعہ درخت کے قریب نہیں جانا اگر اس سے کچھ کھا لیا تو ظلم کرنے والوں میں شمار کیے جاؤ گے۔ شیطان نے دونوں کو بھٹکا کر وہاں سے نکلوا دیا۔ دونوں جگہ واقعہ کی تفصیلات میں جو اختصار سے کام لیا گیا ہے اس کے نکات درج ذیل ہیں

۱۔ سورۃ البقرہ میں صرف اتنا ہے ابیٰ وا ستکبر (اس نے انکار کیا اور تکبر اختیار کیا) دوسری جگہ اس نے اپنے استکبار کی جو دلیل دی قال انا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين وہ بیان کی گئی ہے

۲۔ سورۃ الاعراف میں شیطان کے مردود ہو جانے کے بعد اس کے مہلت مانگنے اور مہلت دیے جانے کا بھی ذکر ہے اور اس کی یہ تعلّی کا بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے کہا میں اب نسل انسانی کو ہر سمت سے گمراہ کروں گا لیکن سورۃ البقرۃ میں اس کے بارے کچھ بیان نہیں کیا گیا۔

۳۔ سورۃ البقرۃ میں فتلقیٰ آدم من ربه کلمات کہا گیا ہے لیکن کلمات بیان نہیں کیے گیے جبکہ دوسری جگہ وہ کلمات بھی بیان کر دیے گیے ہیں۔

قرآن کا یہ اسلوب بیان اختصارِ حدیث کے جواز کا بیّن ثبوت ہے

روایت بالمعنیٰ کا جواز

روایتِ حدیث کے دو اسالیب ہیں پہلا اسلوب روایت باللفظ کا ہے جس میں راوی جیسے اس نے الفاظ سنے ہوں من وعن بلا تغییر وتبدیل نقل کرتا ہے۔ دوسرا اسلوب روایت بالمعنی کا ہے اس میں راوی جزوی یا کلی طور پر اپنے الفاظ میں روایت کرتا ہے اور اس میں حدیث کے معانی محافظت کرتا ہے اس میں کسی کمی یا اضافہ سے گریز کرتا ہے اور تحریف سے مکمل طور پر بچتا ہے۔ دوسرے اسلوب میں روایت حدیث کے جواز کے لیے یہ شرط بیان کی گئی ہے کہ راوی الفاظ اور ان کے مدلولات سے کما حقہ واقف ہو، الفاظ کے مقصودی معانی اور ان کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کی معرفت رکھتا ہو، شریعت کے مقاصد و قواعد سے واقف ہو۔ (۲۹)

قرآن مجید میں روایت بالمعنی کے جواز متعدد نظائر موجود ہیں۔ ان تمام نظائر کا جائزہ لینے سے قرآن میں روایت بالمعنیٰ کی دو انواع سامنے آتی ہیں۔

۱۔ قرآن میں ان افراد کی گفتگو یا الفاظ عربی میں نقل کیے گیے جن کی زبان عربی نہ تھی۔ جیسے حضرت مریمؑ و

حضرت لقمانؑ اور بہت سے انبیاء علیہم السلام

۲۔ایک ہی واقعہ یا بات کومختلف جگہ پرالفاظ کے جزوی تغیر کے ساتھ اور بعض جگہ مترادف الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کا واقعہ سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں تفصیلاً بیان ہوا ہے۔مثلاً سورہ مریم میں قرآن حضرت مریمؑ کی بات نقل کرتا ہے **قالت یٰلیتنی مت قبل هذا و کنت نسیا منسیا** (۳۰)(کہنے لگی اے کاش میں اس سے قبل مرگئی ہوتی اور میں بھولی بسری یاد ہوچکی ہوتی) یہ جملہ عربی میں ہے جب کہ حضرت مریم کی زبان سریانی تھی۔قرآن میں حضرت مریم کے الفاظ نہیں بیان ہوئے بلکہ اللہ کے الفاظ میں ان کی بات کے معنی بیان ہوئے ہیں۔ یہ ترجمانی روایت بالمعنیٰ کی ہی ایک شکل ہے۔اسی طرح قرآن قصص بھی روایت بالمعنیٰ کے نظائر میں سے ہیں جہاں ایک ہی واقعہ کولفظی تغیرات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے **قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین** (۳۱) دوسری جگہ اسی بات کواس طرح بیان کیا گیا ہے۔**قال یا ابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین**(۳۲)

اسی طرح بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ایک جگہ قرآن نے کہا **واذ قلنا ادخلوا هذه القریة فکلوا منها حیث شئتم رغدا وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة نغفرلکم خطایاکم وسنزید المحسنین فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لهم**(۳۳) دوسری جگہ یہی بات ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے **واذ قیل لهم اسکنوا هذه القریة وکلو منها حیث شئتم وقولوا حطةوادخلوا الباب سجدا نغفرلکم خطیئاتکم سنزید المحسنین فبدل الذین ظلموا منهم قولا غیر الذی قیل لهم** (۳۴)

بعض علماء **فبدل الذین ظلموا قولاغیر الذی قیل لهم** سے استدلال کرتے ہوئے روایت بالمعنیٰ کے عدم جواز کی جانب اشارہ کیا ہے۔الکیاالھراسی الشافعی فرماتے ہیں **یدل علی انه لا یجوز تغییر الاقوال المنصوص علیها وانه یتعین اتباعها** (۳۵)(یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ منصوص اقوال میں تغیر جائز نہیں اورانہیں متعین الفاظ کی صورت میں ہی بیان کرنا چاہیے)۔اسی طرح امام رازی فرماتے ہیں **یحتج به فیما ورد من التوقیف فی الاذکار و الاقوال وانه غیر جائز تغییرها**(۳۶)(اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اذکار واقوال منصوصہ میں جو وارد ہوا ہے وہ توقیفی ہے۔اس میں (اجتہادی) تغیر جائز

نہیں)۔اگر قرآن کے الفاظ پر نظر کی جایے تو واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ اس آیت میں روایت بالمعنی کی ممانعت نہیں بلکہ تحریف لفظی کی حرمت کا ذکر ہے۔کیونکہ بنی اسرائیل نے حطہ کا کوئی معنوی مترادف نہیں استعمال کیا تھا بلکہ تحریف کرتے ہوئے حنطہ کہا تھا۔

حدثنا اور اخبرنا میں تساوی

محدثین کی ایک جماعت نے حدثنا اور اخبرنا کے مابین فرق کیا ہے۔ان کے ہاں حدثنا کی اصطلاح اس پر دلالت کرتی کہ راوی نے حدیث اپنے شیخ سے دیگر شاگردوں کے ہمراہ سماعت کی۔جبکہ اخبرنا اس پر دلالت کرتا کہ راوی نے اس حدیث کو شیخ کے سامنے دیگر شاگردوں کی موجودگی میں قرات کیا۔(۳۷) محدثین کی ایک بڑی تعداد حدثنا اور اخبرنا میں روایتِ حدیث کی اصطلاح کی حیثیت سے کسی بھی معنوی تفریق کی قائل نہیں۔اس کے رد میں ان کا استدلال قرآن کی آیت **یومئذ تحدث اخبارها بان ربک اوحیٰ لها** سے بھی ہے۔کیونکہ اس آیت میں **حدّث** اور **اخبر** متبادل کے طور پر آئے ہیں۔(۳۸)

تحقیقِ اسناد کی مشروعیت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ولتعرفنهم فی لحن القول والله یعلم اعمالکم ولنبلونکم حتی نعلم المجاهدین منکم و الصابرین و نبلو اخبارکم** (۳۹)(تم ان کو ان کے اقوال کے طور و انداز سے ضرور پہچان لو گے،اللہ کو تو تمہارے کاموں کا علم ہے۔اور ہم تمہیں ضرور بالضرور آزمائیں گے تا کہ ہم جان سکیں کہ تم سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں۔ہم تماری خبروں کو ضرور جانچیں گے)۔یہ آیت تحقیق سند کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر چہ اہل نفاق کے اقوال کے اس ڈھنگ کے ہیں ان سے انکی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔لیکن یہ کہ ہم آزمائش کے ذریعے ان کا صادق اور کاذب ہونا بھی جانچیں گے۔تا کہ جو اخبار وہ دے رہے ہیں ان کی تصدیق وتکذیب ان کے صادق و کاذب ثابت ہو جانے پر کی جائے۔اس آیت کی تشریح میں زمخشری لکھتے ہیں

ما یحکی عنکم و ما یخبر به عن اعمالکم،لیعلم حسنها من قبیحها، لان الخبر علی حسب المخبر عنه، ان حسنا فهو حسن، و ان قبیحا فقبیح(۴۰)

جو وہ آپ کو بیان کرتا ہے اور جو وہ آپ کے کاموں کے بارے خبریں پھیلاتا ہے (ان کا صدق و کذب واضح ہو جائے) کیونکہ خبر کی حیثیت خبر دینے والے پر منحصر ہوتی ہے۔اگر وہ اچھا ہے تو خبر ٹھیک ہوگی اور

اگر وہ برا ہے تو خبر کو قبیح سمجھا جائے)

متواتر سے استدلال کی حجیت

قرآن مجید کی محفوظیت ،تواتر کی حجیت کا واضح ثبوت ہے۔آج قرآن مجید کے الفاظ کو اگر وہی الفاظ تسلیم کیا جاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ اقدس سے تلاوت کیے اور صحابہ کو قرآن کو حیثیت سے بتایے تو اس اعتقاد کی بنیادی دلیل قرآن کا متواتراً ایسے نقل ہونا ہے۔قرآن مجید کے الفاظ ،ان کا تلفظ اوران کے تحریری نقوش ہم تک بالتواتر روایت ونقل ہو کر پہنچے ہیں۔یہاں روایت سے مراد محدثین کی کتب میں ''عن فلان عن فلان'' مراد نہیں بلکہ قرآن ایک نسل سے دوسری نسل کو اس طرح منتقل ہوا کہ ہر عہد میں لاکھوں نے لاکھوں کو سنایا اور پڑھایا۔قرآن مجید نے خود بھی اس کی محفوظیت کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن بیسیوں افراد کے سینوں میں محفوظ ہے۔اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے **بل هو آيات بينات فی صدور الذين اوتوا العلم و ما يجحد بآياتنا الا الظالمون** (۴۱)(بلکہ یہ کھلی آیات ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا اور ہماری آیتوں کا انکار کرنے والے ظالم ہیں)۔اس آیت میں قرآن کی قرآنیت اوراس کی محفوظیت پرشک کو رفع کرتے ہوئے کہا گیا اس کی آیات بہت سے لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں اوران کا انکار ظلم ہے۔علامہ قرطبیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

کذالک فی صدور الذين اوتوا العلم وهم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **والمومنون به يحفظونه و يقرء ونه**(۴۲)(اس طرح فی صدور الذین اوتوا العلم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور مومنین جو اسے حفظ کیے ہوے ہیں اوراس کی تلاوت کرتے ہیں)

خبر واحد کی حجیت

قرآن کی آیت **وما كان المومنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقوه فی الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا**(۴۳) سے علماء کی بڑی تعداد نے خبر واحد کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔امام رازی فرماتے ہیں۔

هذه الآية حجة قوية لمن يرى ان الخبر الواحد حجة، وقد اطنبنا فی تقريره فی كتاب ''المحصول من الاصول''، والذی نقوله ههنا ان كل ثلاثة فرقة،وقد اوجب الله تعالیٰ ان يخرج من كل فرقة طائفة، والخارج من الثلاثة يكون اثنين او واحدا فوجب ان

یکون الطائفةاما اثنین واما واحدا،ثم انه تعالیٰ اوجب العمل باخبارھم لان قوله : ولینذروا قومھم، عبارة اخبارھم و قوله: لعلھم یحذرون، ایجاب علیٰ قومھم ان یعملوا باخبارھم،وذالک یقتضی ان یکون خبر الواحد او الاثنین حجة فی الشرع(۴۴)

’’یہ آیت خبر واحد کو حجت ماننے والوں کے لیے بہت مضبوط دلیل ہے۔ہم نے اس کی توضیح میں اپنی کتاب المحصول من الاصول میں بہت تفصیل سے کام لیا ہے۔ہم یہاں اس کو ذکر کرتے ہیں۔تین افراد کا مجموعہ فرقہ کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے واجب ٹھہرایا کہ ہر فرقہ میں سے ایک طائفہ (حصولِ تفقہ فی الدین کے لیے) نکلے۔تین میں سے نکلنے والے یا دو ہوں گے یا ایک، پس طائفہ یا ایک پر مشتمل ہوگا یا دو پر، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دی گئی اخبار پر عمل کو واجب کیا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے ولینذروا قومھم (وہ اپنی قوم کو ڈرائیں) یہ تعبیر ہے ان کے خبر دینے کے عمل کی،اور پھر اللہ کے فرمان **لعلھم یحذرون** سے ان کی قوم پر ان کی خبروں پر عمل کا وجوب لازم ہو گیا۔پس یہ تقاضا کرتا ہے کہ شریعت میں خبر واحد یا اثنین حجت ٹھہرے۔‘‘

امام رازی اس استدلال پر اعتراض اور اس کا جواب بھی ذکر کرتے ہیں۔تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت خبر واحد پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہاں طائفہ کا ذکر ہے اور طائفہ ایک جماعت کو کہا جاتا ہے تو اس لیے یہ ایک جماعت کی خبر کو حجت قرار دینے پر دال ہے۔اور فرمانِ باری تعالیٰ میں **ولینذروا قومھم** اس صورت میں بھی درست ٹھہرتا ہے کہ انذار کو قبول کرنے کو واجب نہ ٹھہرایا جائے جیسا کہ ایک گواہ کی گواہی،شہادت کو تو لازم کرتی لیکن اس کو قبول کرنے کو لازم نہیں کرتی۔انذار میں خوف دلانا شامل ہوتا تو اس سے عمل کا وجوب لازم نہیں ہوسکتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ طائفہ کو جماعت قرار دینا درست نہیں کیونکہ قرآن نے ان میں سے کچھ کے نکلنے کو کہا۔فرقہ تین کی تعداد پر مشتمل ہوتا جب اللہ نے ان میں سے کچھ کے نکلنے کو کہا تو ایک نکلے کا یا دو۔تو جماعت قرار دینے کے معنی باطل ٹھہرے۔اور اگر ان کا کہنا یہ ہے کہ ہر فرقہ میں سے ایک ایک یا دو دو بھی جب مل کر جمع ہو جائیں تو جماعت بن جایے گی تو جب وہ لوٹ کر آئیں کے تو جماعت ہوں گے تو یہ درست نہیں کیونکہ قرآن نے ہر طائفہ پر لازم کیا کہ اپنی قوم کی جانب لوٹیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر طائفہ اپنی خاص قوم کی جانب لوٹے گا نہ کہ سارے مل کر کسی ایک قوم کی جانب جائیں گے۔تو اس طرح جماعت قرار دینا قرآنی الفاظ کے خلاف ہے۔یہ اعتراض کہ ولینذروا کے الفاظ سے خبر کو قبول کرنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا تب درست ہوتا جب ہم اس سے وجوب ثابت کرتے۔ہم خبر واحد کے قبول کے وجوب کو **ولینذروا** سے نہیں بل کہ’’ **یحذرون**‘‘ سے ثابت کرتے ہیں۔

امام رازیؒ کے درج بالا استدلال کا جائزہ لینے سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت خبر واحد کی حجیت پر دال ہے لیکن اگر دوسری صورت کو قبول کرلیا جایے تو اس آیت کی دلالت خبر متواتر کی حجیت پر ہوگی۔ یہاں پر قرآن مجید کی اس نظیر کا ذکر بھی ضروری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی رسالت کے انکار کی وجہ جہاں انکی بشریت کو ٹھہرایا وہاں فرد واحد کی خبر کی عدم حجیت بھی ان کی دلیل فاسد تھی۔ **كذبت ثمود بالنذر فقالوا ابشرا منا واحدا نتبعه انا اذا لفی ضلال و سعر** (۴۵)(قوم ثمود نے پیغمبرانہ انذار کی سب باتوں کو جھٹلا دیا۔تو کہنے لگے کیا ہم سب پیروی کریں،اپنے میں سے ہی ایک آدمی کی اور وہ بھی فرد واحد،ہم تو ایسا کر کے گمراہی اور حماقت میں جا پڑیں گے) مفسرین نے ''واحدا'' جو توجیہات کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں یہ اعتراض تھا ایک فرد کی بات ہم مانیں جب کہ ہم ایک بڑا گروہ ہیں۔ایک فرد کی بات کو درست تسلیم کرلیا جائے اور اس کی پیروی کی جائے جب کہ ہم اس کے مقابلے میں ایک بڑی جماعت،اس کے مخالف ہیں۔(۴۶)

تعداد رواۃ کے اعتبار سے اقسام حدیث سے متعلق قرآنی استشہادات

حدیث کو راویوں کی تعداد کے اعتبار سے چار انواع میں منقسم کیا گیا ہے۔خبر غریب،خبر عزیز،خبر مشہور اور خبر متواتر (۴۷)۔ذیل میں ان اقسام پر قرآنی نظائر پیش کیے جاتے ہیں

خبر غریب

خبر غریب اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کا راوی کسی طبقہ میں بھی ایک رہ جائے۔(۴۸) قرآن مجید میں خبر غریب کی حجیت کی نظیر بھی موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔**جاء رجل من اقصا المدینة يسعى،قال یا موسیٰ ان الملايأتمرون بک ليقتلوک فاخرج انی لک من الناصحين فخرج منها خائفا يترقب** (۴۹)

(شہر کے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ کہنے لگا اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشاورت کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کردیں سو آپ چل دیجیے۔میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں۔پس آپؑ وہاں سے خوف اور وحشت کے عالم میں نکل گئے)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے والا ایک عام آدمی تھا۔موسیٰ علیہ السلام نے نہ صرف اس کی خبر کو درست مان لیا بلکہ نے اس کی خبر سے دو اثر لیے ایک اثر دل پر ہوا جس کو قرآن نے **خائفا يترقب** کہا اور دوسرا

اثر عملی لیا کہ وہاں سے نکل گئے ۔اس خبر فرد کو موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح تسلیم کیا کہ راوی پر کوئی طعن نہیں کیا اور اس کی تایید کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں تلاش کیا۔راوی نے اس روایت کی توثیق میں اپنا خیر خواہ ہونا بیان کیا۔ایک پیغمبر کا غیر پیغمبر فردِ واحد کی خبر کو قبول کرنا اس کی مشروعیت پر دال ہے۔

خبر عزیز

وہ حدیث جس کے رواۃ کی تعداد ہر طبقہ میں دو سے کم نہ ہو۔خبر عزیز اصطلاحی نام رکھنے کی نظیر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ **وانه لكتاب عزيز لاياتيه الباطل من بين يديه و لا من خلفه تنزيل مين حكيم حميد** (۵۰)(بے شک یہ انتہائی کتاب مضبوط کتاب ہے۔اس کو سامنے اور پیچھے کسی طرف سے کوئی باطل نہیں پکڑ سکتا یہ حکمت والے اور سزاوارِ حمد ذات کا نازل کردہ ہے)۔اس آیت میں اللہ جل شانہ نے قرآنی وحی کی محفوظیت کا اظہار فرماتے ہوئے اس کو ''عزیز'' قرار دیا اور اس کے عزیز ہونے کی وجہ اس کا باطل کی آمیزش سے محفوظ ہونا بیان کی۔خبر عزیز کو عزیز قرار دینے میں بھی یہی حکمت پوشیدہ ہے کہ یہ حدیث اپنی حجیت میں مضبوط و محفوظ ہے۔خبر عزیز کی حجیت کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے۔ **واشهدوا ذوى عدل منكم واقيمو الشهادة لله** (۵۱) اور تم اپنے میں سے گواہ بناؤ دو صاحب عدل لوگوں کو اور اللہ کے لیے گواہی کو قائم کرو)۔اس کا حاصل یہ ہے کہ دو کی شہادت محض معتبر نہیں بلکہ حجت بھی ہے جس پر دین اور دنیا کے ہزار ہا جانی، مالی، اخلاقی اور معاشرتی معاملات کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ قضائے قاضی ظاہراً اور باطنا نافذ ہو جاتی ہے۔یہ شہادت ظاہر ہے کہ روایت ہے،اس روایت کا نام یہاں شہادت تو عرف کے باعث لیا گیا کیونکہ عدالت میں عرفاً روایت کو شہادت کہا جاتا ورنہ جو شرائط و اوصاف شاہد و گواہ کی ہیں وہی راوی کی ہیں۔پس قرآن نے دو گواہوں کی شہادت کو حجت مان کر درحقیقت دو راویوں کی روایت کے معتبر و حجت ہونے کا اعلان فرمایا۔(۵۲)

خبر مشہور

خبر مشہور وہ حدیث جو کم از کم تین راویوں سے منقول ہو اور رواۃ کی کثرت حد تواتر کو نہ پہنچے۔اس کی حجیت کا ثبوت بھی ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

واضرب لهم مثلا اصحاب القرية اذ جاء ها المرسلون اذ ارسلنا اليهم اثنين فكذبوهما فعززنا بثالث فقالوا انا اليكم مرسلون (۵۳)۔اس آیت سے واضح ہے کہ دو کی تکذیب

کر دینے پر تیسرے کا اضافہ اصولاً اس وجہ سے تھا کہ عادتاً تین ثقہ اور عادل افراد کو جھٹلانا فطرت انسانی کے خلاف ہے اور اس سے گاؤں والوں پر خدا کی حجت تمام ہو جائے گی کیونکہ تین آدمیوں کا مجموعہ جماعت کہلاتا ہے اور عادتاً نہ تو تین افراد کی جماعت وہ بھی نیک اور پارسا لوگوں کی مل کر جھوٹ بول سکتی اور نہ ہی اسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہاں نقل اور روایت کے سلسلے میں تین کا عدد پیش نظر ہے رسالت کا وصف پیش نظر نہیں۔کیونکہ رسول تو ایک بھی ثقاہت وعدالت اور صدق وامانت مین ساری دنیا سے بڑھ کر ہوتا ہے اگر گاؤں والوں کو رسالت کی عظمت کا احساس ہوتا تو وہ ایک رسول کی بھی تکذیب کی جرات نہ کرتے۔رسولوں کے عدد میں اضافہ اصل میں ان پر قانونی حجت تمام کی گئی کہ تین سچے افراد کی خبر کسی طرح بھی قابل ردشمار نہیں ہوتی۔اس سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اگر تین افراد کی روایت سے کوئی خبر روایت ہوتی ہے وہ ہرگز قابل رد نہیں کیونکہ اس سے نہ صرف غلبہ ءظن حاصل ہوتا بلکہ دیانتاً یقین حاصل ہو جاتا۔(۵۴)

خبرِ ضعیف سے استدلال کا جواز

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **اذا جاء کم فاسق بنبا بتبینوا** (۵۵) (جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو) یہ آیت خبر ضعیف کی تحقیق وتفتیش کے بعد اس سے استدلال کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔کیونکہ اگر فاسق کی خبر علی الاطلاق قابل رد ہوتی تو **فتبینوا** کا حکم نہ ہوتا بلکہ **فاترکوا** یا **فارفضوا** ہوتا۔**فتبینوا** کا حکم اسی وقت درست ہوسکتا جب فاسق کی خبر کو مردود نہ ٹھہرایا جائے۔

سند پر جرح کا مطلب متن پر نقد نہیں ہوتا

محدثین جب کسی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو ان کی جرح سند پر ہوتی ہے نہ متن پر۔یہی وجہ ایک حدیث کو محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں اور بعینہ اسی متن کی حامل روایت کو دوسری سند سے صحیح کہتے ہیں مثلاً روایت ہے:

اخبرنا السامی قال حدثنا احمد بن حنبل قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزھری عن رجل عن ابی ھریرۃؓ عن النبی ﷺ قال: لو یعلم الذی یشرب وھو قائم ما فی بطنه لاستقاء (اگر شراب پینے والا جانتا کہ وہ اپنے پیٹ میں کیا بھر رہا ہے تو فوراًقے کر دیتا) اس سند سے یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی وجہ جہالۃ الراوی عن ابی ھریرۃ ہے۔اسی متن کو بیھقی نے عن الزھری عن ابی ھریرۃ سے روایت کیا **فھذا سند منقطع فان الزھری لم یسمع من ابی ھریرۃ** (یہ سند منقطع ہے کیونکہ

زھری نے ابوھریرہؓ سے سماع نہیں کیا)۔لیکن البزاز نے اسے عن زھیر بن محمد البغدادی، عن عبدالرزاق، عن معمر، عن الزھری، عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عن ابی ھریرۃ سے روایت کیا۔اور یہ سند صحیح ہے اس کے رجال بخاری کے رجال ہیں سوائے زھیر بن محمد البغدادی کے، وہ ثقہ ہیں اور امام ابن ماجۃ کے شیوخ میں سے ہیں۔(۵۶)

اس ایک مثال سے محدثین کا یہ اصول واضح ہورہا ہے کہ وہ جب حدیث سند پر نقد کرتے ہیں تو اس کا مطلب اس کے متن کو ساقط یا مجروح قرار دینا نہیں ہوتا۔یہ اصول قرآن سے ہی مستفاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک رسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکذبون (۵۷)

(جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ،اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے بے شک منافقین جھوٹ بول رہے ہیں)۔قرآن مجید نے یہاں منافقین کو ''کاذبون'' کہا حالانکہ ان کا دعویٰ ''**نشھد انک لرسول اللہ**'' تھا۔

دعویٰ تو بالکل درست ہے لیکن دعویٰ کرنے والے ہیں جھوٹے ہیں۔اس لیے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تائید تو **واللہ یعلم انک رسولہ** کرفرمائی لیکن قائلین کو کاذبون قرار دیا۔یہ شاہد ہے کہ متن پر نقد نہیں بلکہ قائل پر نقد ہے۔اور سند کے مجروح ہونے کی وجہ سے کذب کا حکم لگانا درست ہے۔

اہل کفر سے اخبارِ دنیا میں روایت کا جواز

قرآن مجید کی آیت **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** (۵۸) میں اہل کفر سے ایک تاریخی مسئلہ کہ تصدیق کا حکم دیا ہے۔مشرکین مکہ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر یہ اشکال واستعجاب تھا کہ ایک انسان اللہ کا نبی کیسے بن سکتا؟ تو ان کو حکم دیا گیا کہ اہلِ کتاب سے تصدیق کرلو کہ پہلے انبیاء جنسِ بشر سے آتے رہے یا کسی اور جنس سے؟ اس سے ثابت ہوا کہ اہل کفر سے دنیا کی اخبار سے متعلق روایت قبول کی جاسکتی ہے۔کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اہل کفر کی تصدیق اور ان کا جواب قابل اعتناء واحتجاج ہی نہیں تو پھر ان سے سوال کرنے کا حکم عبث ٹھہرتا ہے۔

کذب فی الحدیث کی حرمت

کذب کی مذمت پر قرآن کی متعدد نصوص دال ہیں۔اس لیے کذب کی حرمت کی ہر آیت کذب فی الحدیث کی مذمت کرتی ہے۔لیکن قرآن مجید کی وہ نصوص کذب فی الحدیث کی حرمت پر عبارۃ النص ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کی کہ وہ وحی الٰہی کو تبدیل کر دیتے تھے اور تحریف کے مرتکب ہوتے تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔یحرفون الکلم عن مواضعه ۔(۵۹)(وہ بدل دیتے کلمات کو انکی جگہ سے)اسی طرح ایک اور جگہ اہل کتاب کے اس جرم عظیم کی مذمت ان الفاظ میں گئی.فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذا من عندالله لیشتروا به ثمنا قلیلا فویل لهم مما کتبت ایدیهم (۶۰)(پس بربادی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب تحریر کرتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ ان کو تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ سکیں۔پس بربادی ہے ان کے لیے اس کے سبب جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا)اس آیت میں اپنی جانب سے نصوص بنا لینے اور ان کو وحی الٰہی قرار دینے کی سخت مذمت کی گئی۔قرآنی نصوص کے مطابق حدیث نبوی بھی وحی الٰہی ہے اور رسول اللہ پر افتراء باندھتے ہوئے هذا من عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا جرم میں هذا من عند الله کہنے کے مترادف ہے۔

عورت سے روایت کا جواز

روایت حدیث میں عورت سے روایت لینے کا جواز قرآن کی آیت فجاء ته احداهما تمشی علی استحیاء قالت ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت (۶۱) سے ثابت ہوتا ہے۔ایک عورت نے آ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے اس خدمت کی اجرت دے سکیں۔اس خبر کو موسیٰ علیہ السلام نے قبول کیا اور مزید یہ کہ وہ لڑکی اکیلی تھی اس سے عورت کی خبر واحد کا بھی جواز ثابت ہوتا۔

بچے سے روایت کا جواز

قرآن مجید سے ایسے بچے کی روایت قبول کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے جس میں صالحیت وفہم کے آثار نمایاں ہوں۔سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کا خواب بیان کرنا اور حضرت یعقوبؑ کا اس کو قبول کر کے ان کو خواب بیان کرنے سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے بچے کی خبر کو قبول کیا جائے گا۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اذ قال یوسف لابیه یا ابت انی رائیت احد عشر کو کبا و الشمس والقمر

رایتهم لی ساجدین قال یا بنی لا تقصص رء یاک علیٰ اخوتک(٦٢) اگر بچے کی دی گئی خبر سے حجت پکڑنا درست نہ ہوتا تو حضرت یعقوبؑ اس پر ردوقدح فرماتے لیکن انہوں نے بلاتردد اس کو درست سمجھا اوراس خبر کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔

شاہدومتابع سے تایید وتصدیق کی حجیت

قرآن مجید میں پاک دامن عورتوں پر بہتان تراشی کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا **والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتو ا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة (٦٣)** (وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو ان کو اسی کوڑے مارو)۔ یہاں چار کی گواہی شاہد ومتابع کی نظیر ہے۔کیونکہ گواہ اگر ایک ہےتو اس سےبھی واقعہ ثابت ہو جاتا۔ایک پر تین گواہ مزید لانا دراصل ایک دوسرے کی تصدیق وتایید کے لیے ہے۔کیونکہ ایک کی بات میں بھول چوک کا امکان ہےتو دوسرے کی تایید سے اس میں تقویت آ گئی۔تیسرے کی تایید سے اس میں علم الیقین کی کیفیت پیدا گوئی اور چوتھے سےحق الیقین ہوگیا۔اگر چار گواہ پورےنہیں ہوتے اور تین گواہ موجود ہوں تو ان کو جھوٹا قرار دے کر ان پر حد قذف لاگو کی جائے گی۔آخر کیا وجہ ہے ایک چوتھا فرد شامل ہونے سے ان سب کی کی گواہی حجت بن جاتی اور ایک فرد کے نکل جانے سے وہ قابل رد ہو جاتے۔اس کا مطلب ہوا کہ یہاں ایک دوسرے کا موید ہے۔اسی سے کثرتِ طرق کے باعث خبر وروایت کا معتبر ہونا بھی واضح طور ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح عورتوں کی گواہی کے معاملے میں کہا گیا **فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذکر احداهما الاخریٰ(٦٤)** (پس اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جو تمہیں پسند آئیں، گواہ بن جائیں، تا کہ ان عورتوں میں سے اگر بھول چوک کا شکار ہو تو دوسری اس کو یاد دلا دے) اس میں ایک کا دوسری کو یاد دلانا متابع وشاہد کی نظیر ہے۔کیونکہ یہاں جو بھول جانے پر یاددلانے کی جو حکمت بیان کی گئی یہ کوئی امر لازمی نہیں کہ ہر عورت جو کہیں گواہ بنے گی وہ ہمیشہ بھولے گی بلکہ یہ امر اتفاقا وقوع پذیر ہوسکتا۔لیکن ایک عورت کی گواہی پر دوسری کی گواہی مستقلاً تایید و تقویت کے لیے مشروع کردی گئی۔

یہ موضوع بہت وسیع ہے اور یہ چند قرآنی استدلالات ہیں کہ جو کتب سے اخذ کیے گیے ہیں۔قرآن بحرِ بے کنار ہے جس میں علوم کے لؤلؤ ومرجان اس کثرت سے موجود ہیں کہ نسل انسانی کی عمروں کی غواصی بھی اس میں کمی نہیں کرسکتی۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔النحل۔۸۹ ۲۔الانعام۔۳۸

۳۔القاسمی، محمد جمال الدین بن محمد سعید،قواعد التحدیث من فنون الحدیث، دارلکتب العلمیہ ، بیروت، س۔ن،ص۶۱

۴۔الجمعہ۔۳ ۵۔العنکبوت۔۴۵ ۶۔الحشر۔۵

۷۔ابن جوزی، عبدالرحمان بن علی، زادالمسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت،۱۴۰۴ھ، ج۸،ص۲۰۷

۸۔مودودی، ابوالاعلیٰ،سنت کی آئینی حیثیت، ،۱۹۹۷ص۱۵۱((اس آیت اوراس طرح کے دیگر نظائر سے وحی غیر متلو پراستدلال کرنے سے متعلق معترضین کے اعتراضات کا ردمولانا مودودیؒ نے اپنی اس کتاب میں بالتفصیل فرمایا)

۹۔الزمر۔۲۳ ۱۰۔الزلزال۔۴۔۵ ۱۱۔النحل۔۶۸

۱۲۔الانبیاء۔۶۹ ۱۳۔الحشر۔۷

۱۴۔قاضی عیاض، ابن موسیٰ الیحصبی ، المالکی، الالماع الیٰ معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع،تحقیق: السید احمد صقر، الکمتبۃ العتیقۃ،۱۹۷۰ء،ص۷

۱۵۔الحاقۃ۔۴۴ ۱۶۔التوبۃ۔۴۳ ۱۷۔الانفال۔۲۴

۱۸۔الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،سنن الترمذی،تحقیق:ابراھیم عطوۃ عوض،شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی ،مصر، طبع دوم،۱۹۷۵ء،حدیث نمبر۲۸۷۵،ج۵،ص۱۵۵

۱۹۔النساء۔۱۰۲

۲۰۔ابن عطیہ،ابومحمد،عبدالحق بن غالب،الاندلسی،المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب اللہ العزیز،تحقیق:عبدالسلام عبدالشافی محمد، دارالکتب العلمیہ ، بیروت،طبع اول،۱۴۲۲ھ،ج۴،ص۳۹۵

۲۱۔الاحزاب۔۵۳ ۲۲۔الشعراء۔۱۹۲۔۱۹۴ ۲۳۔النساء۔۱۲۲

۲۴۔التکویر۔۱۹۔۲۱ ۲۵۔النجم۔۲۔۳

۲۶۔ابن الصلاح،عثمان بن عبدالرحمان،معرفۃ انواع علوم الحدیث،تحقیق: نورالدین عتر، دارالفکر المعاصر، بیروت، ۱۹۸۶ء،ص۲۱۶

۲۷۔البقرۃ۔۳۴۔۳۷ ۲۸۔الاعراف۔۱۱تا۲۳

۲۹۔الرامھر مزی، ابومحمد،الحسن بن عبدالرحمان،المحدث الفاصل بین الراوی والواعی،تحقیق:محمد عجاج الخطیب ، دارالفکر بیروت،طبع سوم،۱۴۰۴ھ،ص۵۲۹،

ابوشھبۃ،محمد بن محمد بن سویلم ،الوسیط فی علوم ومصطلح الحدیث، دارالفکرالعربی، بیروت،ص۴۰

۳۰۔مریم۔۲۳   ۳۱۔الاعراف۔۱۲   ۳۲۔صٓ۔۷۵

۳۳۔البقرۃ ۵۸،۵۹   ۳۴۔الاعراف۔۱۶۱،۱۶۲

۳۵۔الکیاالکھراسی،عمادالدین،علی بن محمد،لشافعی،احکام القرآن،تحقیق:موسیٰ محمد علی وعزۃ عبد عطیۃ،دارالکتب العلمیہ، بیروت،طبع دوم،۱۴۰۵ھ،ج۱،ص۹

۳۶۔الرازی،فخرالدین،ابوعبداللہ،محمد بن عمر،مفاتیح الغیب،داراحیاءالتراث العربی، بیروت،طبع سوم،۱۴۲۰ھ،ج۳، ص۵۲۶

۳۷۔الحافظ زین الدین العراقی،شرح التبصرۃ والتذکرۃ،تحقیق:ماہریاسین الفحل،مکتبۃ المشکاۃ،س۔ن،ص۳۳

۳۸۔السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمان بن ابی بکر،الاکلیل فی استنباط التنزیل،تحقیق:سیف الدین عبدالقادر الکاتب،دارالکتب العلمیہ بیروت،۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء،ص۲۹۶

۳۹۔محمد۔۳۰۔۳۱

۴۰۔الزمخشری، جاراللہ،ابوالقاسم محمود بن عمرو،دارالکتاب العربی، بیروت،طبع سوم،۱۴۰۷ھ،ج۴،ص۳۲۸

۴۱۔العنکبوت۔۴۹

۴۲۔القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد،الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)،تحقیق:احمد البردونی و ابراھیم اطفیش، دار الکتب المصریۃ،القاہرۃ،طبع دوم،۱۹۶۴ء،جز۱۳،ص۳۵۴

۴۳۔التوبۃ۔۱۲۲   ۴۴۔مفاتیح الغیب،ج۱۶،ص۱۷۲   ۴۵۔القمر۔۲۳۔۲۴

۴۶۔الثعلبی،ابواسحاق،احمد بن محمد بن ابراھیم،الکشف والبیان عن تفسیر القرآن،تحقیق:امام ابومحمد ابن عاشور، داراحیاء التراث العربی، بیروت،طبع اول،۱۴۲۲ھ،ج۹،ص۱۶۷

۴۷۔ابن حجر،العسقلانی، ابوالفضل،احمد بن علی،نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر،تحقیق:عصام الصبابطی،عمادالسید،دار الحدیث،القاہرہ،طبع پنجم،۱۹۹۷ء،ص۲

۴۸۔ایضاً،ص۳   ۴۹۔القصص۔۲۰   ۵۰۔حٰم سجدہ۔۴۲   ۵۱۔الطلاق۔۲

۵۲۔قاری محمد طیب،حدیث رسول کا قرآنی معیار،ادارہ اسلامیات،لاہور،۱۹۷۷ء،ص۵۶

۵۳۔یٰسین۔۱۳،۱۴   ۵۴۔حدیث رسول کا قرآنی معیار۔۵۴،۵۵   ۵۵۔الحجرات۔۶

۵۶۔ابن حبان، محمد بن حبان،ابوحاتم،الدارمی،صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان،تحقیق: شعیب الارناؤوط،موسسۃ الرسالۃ، بیروت،حدیث نمبر۵۳۲۴،ج۱۲،ص۱۲۔احادیث کی یہ تحقیق محقق کے حاشیہ میں موجود ہے۔

۵۷۔المنافقون۔۱   ۵۸۔النحل۔۴۳   ۵۹۔النساء۔۴۶   ۶۰۔البقرۃ۔۷۹

۶۱۔القصص۔۲۵   ۶۲۔یوسف۔۵   ۶۳۔النور۔۱۱   ۶۴۔البقرۃ۔۲۸۲